اصولِ فقہ — عہدِ صحابہؓ کے بعد

از ڈاکٹر محمد معروف دوالیبی۔ ایل ایل ڈی (پیرس یونیورسٹی) شام

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو ترجمان بابت مارچ ۵۹ء)

علمی تحریک کا آغاز اور اس کا مزاج | عہدِ صحابہ کے بعد علوم و فنون نے حیرت انگیز کروٹ لی اور ایک نہایت وسیع الاثر علمی تحریک وجود میں آگئی جس نے یکایک لوگوں کے ذہن و ذوق پر غیر معمولی تسلط قائم کر لیا اور تمام علوم و فنون کے بارے میں اربابِ علم و فن کے اندر ایک نئے زاویۂ نگاہ اور ایک نئے رجحانِ فکر کی طرح ڈال دی۔ عہدِ سابق میں تو علم و فن کا دائرہ صرف معلومات کے ذخیرے کو سلف سے خلف تک نقل و روایت کر دینے تک محدود تھا لیکن جدید رجحان کے زیرِ اثر اب معلومات کو نقل و روایت سے پہلے تحقیق و درایت کی کسوٹی پر کسا جانے لگا۔ اس نئے طرزِ علم و فکر نے مسلمانوں کے تمام علمی اور ثقافتی شعبوں پر بہت بڑا اور نیا اثر ڈالا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر علمائے اسلام کے اندر علمی مباحثات اور تحقیقات کا عام چرچا ہو گیا جو بالآخر ایک ایسے نئے دورِ علم و تمدن کو جنم دینے کا موجب ہوا جس کا عہدِ ماضی میں کوئی نشان نہ تھا۔ اس نئے علمی دور میں تمام اربابِ علم علوم و فنون کی تدوین میں منہمک ہو گئے اور انھیں اصول و ضوابط کے سانچوں میں ڈھال دیا۔ یہی اصول و ضوابط آئندہ کے لیے علم کا مقیاس و میزان قرار پا گئے حالانکہ اس سے قبل صرف ذوقِ سلیم اور عقلِ حکیم ہی علم کے پیمانے اور معیار شمار ہوتے تھے۔

فقہ پر علمی تحریک کے اثرات | جدید علمی تحریک سے سب سے زیادہ بلکہ پوری فراوانی کے ساتھ جس شعبۂ علم نے حصہ وصول کیا ہے، وہ فقہ ہے۔ اگرچہ ہمارا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ فقہ کو حرکت میں لانے اور اس کو سرسبز و شاداب کرنے کا واحد محرک یہی علمی تحریک تھی کیونکہ فقہ جس علم کا نام ہے وہ انسان کے حقوق و فرائض کی معرفت اور حلال و حرام کی تمیز سے عبارت ہے اور یہ وہ علم ہے جسے اسلام

نے روزِ اوّل سے اپنے ماننے والوں پر فرض کیا ہے۔ اس لیے بنیادی طور پر فقہ کا محرک خود اسلامی تعلیم تھی۔ البتہ علمی تحریک اُس کے پروان چڑھانے کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئی۔

دوسرے علوم و فنون کے دوش بدوش فقہ کو بھی اصول و ضوابط کے سانچوں میں ڈھال دیا گیا۔ تاکہ اس کو دجل و تلبیس اور کج فکری کی دراندازیوں سے محفوظ رکھا جا سکے اور ملت کے لیے فقہ کے صحیح اجتہادات میں اور نفسانی دسیسہ کاریوں میں تمیز کرنا آسان رہے۔ چنانچہ فقہ یعنی علمِ احکامِ شریعت — کے پہلو بہ پہلو ایک دوسرا علم جسے اصولِ فقہ — یعنی علم دلائل احکام۔ کا نام دیا گیا معرضِ تدوین میں آگیا اور بلاشبہ اس کی تدوین و تالیف کا سہرا اسی حیرت انگیز علمی تحریک کے سر پہ ہے جس کی بدولت ہر علم اصول و ضوابط کے جامہ میں ملبوس ہو رہا تھا۔

چنانچہ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ عہد مابعد صحابہ کے اصولِ فقہ پر — جو کہ علمی تحریک کا ایک ثمرہ ہے — گفتگو کرنے سے قبل، خود اس علمی تحریک کی حقیقت اور اس کی اساسات پر کسی قدر روشنی ڈالیں۔ ظاہر ہے کہ ہر قوم کا قانون، قانون کی حرکت اور اس کی بدولت ظہور میں آنے والے اجتہادی کارنامے یہ تمام اس قوم کی علمی نشاط، ثقافتی زندگی اور فکری ترقی کے ساتھ غیر منفک ربط رکھتے ہیں۔ اور قانون اور اس کے متعلقات کا جائزہ لینے سے قبل خود علم و فن کی سرگرمیوں کا اندازہ لگانا ناگزیر ہوتا ہے۔

علمی تحریک کو بروئے کار لانے میں دین کا حصہ | اس علمی تحریک اور فکری و ثقافتی ترقی میں مسلمانوں کا کیا حصہ تھا؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے ہم اس فریضۂ دینی کی جانب اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جسے اسلام نے اپنی دعوت کے آغاز ہی میں اپنے پیروکاروں پر عائد کر دیا تھا اور جو درحقیقت بعد میں اٹھنے والی مبارک علمی تحریک کا سنگِ بنیاد ثابت ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپؐ نے اہلِ عرب کے سامنے — ایک حیات افروز نظام — کی دعوت پیش کی تو اس وقت صورت یہ تھی کہ عربوں کی غالب اکثریت اَن پڑھ تھی۔ بلکہ ایسے افراد کا وجود بہت شاذ و نادر تھا جو لکھنا پڑھنا جانتے

تھے۔ بنابریں اسلام ۔۔۔ جس کی بنیاد ہی علم و فکر پر تھی ۔۔۔ نے سب سے پہلے اس مسئلے کی جانب توجہ مبذول کی۔ اور برق رفتاری کے ساتھ ناخواندگی اور جہالت کا حل شروع کر دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس فرد پر، جو حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، علم سیکھنا لازم قرار دے دیا اور پوری صراحت کے ساتھ فرمایا: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔

غزوہ بدر میں جب مسلمانوں کے ہاتھ قریش کے بعض لوگ قیدی بن کر آئے تو ان کے وارث اُن کی رہائی کے لیے دربارِ نبوی میں مالی فدیہ لے کر آئے۔ لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی فدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ باوجودیکہ اس وقت مسلمانوں کو مالی امداد کی سخت ضرورت تھی۔ اس کے بجائے آپؐ نے تعلیم کو فدیہ قرار دیا اور ہر قیدی کے ذمّے بطورِ فدیہ دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا لازم کر دیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ مثالی کارنامہ ہے جس کی نظیر آپ سے پہلے کسی دور میں ملتی ہے نہ آپ کے بعد کے کسی دور میں مورخین نے ایسی کوئی مثال نقل کی ہے۔

ایک روز آپؐ نے بڑا اثر انگیز خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں ایسے لوگوں کو سخت توبیخ فرمائی جو خود پڑھے لکھے ہیں مگر ان پڑھوں کو تعلیم نہیں دیتے اور ساتھ ہی ان پڑھوں کو بھی زجر کی کہ وہ از خود پڑھے لکھے لوگوں سے علم حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کیوں نہیں کرتے۔ آپ کا یہ خطبہ جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہے، اس قابل ہے کہ ہم یہاں اُسے پورا نقل کر دیں۔ راوی کہتا ہے:

"ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ اس میں آپ نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں کی ستائش کی اور پھر ایک گروہ کو مخاطب ہو کر فرمایا: ان لوگوں پر کیا افتاد پڑی ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں میں نہ دینی فہم پیدا کرتے ہیں، نہ انہیں تعلیم دیتے ہیں، نہ وعظ و نصیحت کرتے ہیں، نہ ان کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے ٹوکتے ہیں۔ خود ہمسایوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے عالم ہمسایوں سے دین کی سوجھ بوجھ نہیں حاصل کرتے اور ان سے وعظ و نصیحت نہیں سنتے۔ خدا کی قسم! یا تو یہ لوگ اپنے ہمسایوں کو تعلیم دیں ان میں دینی امور کی بصیرت پیدا کریں، انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں، اور

ادھر خود ان پڑھ ہمسائے بھی ان سے علم حاصل کریں، اور اپنے اندر فہم و فقاہت پیدا کریں، اور ان کی نصیحت پر عمل کریں۔ ورنہ میں ان دونوں گروہوں کو بہت جلد سزا دوں گا"۔ ان ارشادات کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ کچھ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے مخاطب کون لوگ ہیں؟ صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے سخن قبیلۂ اشعری کے لوگوں کی جانب ہے۔ یہ لوگ خود تو صاحب علم و بصیرت ہیں مگر ان کے پڑوسی، جو چشموں اور بادیوں میں بستے ہیں، بالکل کندہ ناتراش ہیں۔ اشعریوں تک جب آپ کے یہ ارشادات پہنچے تو وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! آپ نے دوسرے لوگوں کی ستائش فرمائی ہے اور ہماری مذمت کی ہے۔ ہم سے کیا سرزد ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا یا تو اشعری قبیلے کے لوگ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں، انہیں وعظ و نصیحت کریں، انہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی پر ٹوکیں اور ہمسائے بھی اہل علم لوگوں سے علم حاصل کریں اور دین میں فہم و بصیرت پیدا کریں ورنہ میں دنیا ہی کے اندر ان پر بہت جلد سزا نافذ کروں گا۔ اشعریوں نے جواب میں کہا۔ یارسول اللہ! کیا ہم غیروں کو سوجھ بوجھ والا بنادیں؟ اس پر آپ نے پھر اپنے سابقہ الفاظ دہرائے۔ انہوں نے پھر یہی اعتراض پیش کیا۔ آپ نے پھر اپنے کلمات دہرائے۔ آخر کار اشعریوں نے آپ سے ایک سال کی مہلت طلب کی۔ آپ نے ایک سال کی مہلت دے دی اور اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۔ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (بنی اسرائیل میں جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اُن پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہوگئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، انہوں نے ایک دوسرے کو بُرے

افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ بُرا طرزِ عمل تھا جو انھوں نے اختیار کیا۔ المائدہ : ۷۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بے نظیر خطبہ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ناخواندگی اور جہالت آپ کی نگاہ میں ایک امرِ منکر ہے۔ جس کا دور کرنا امت پر فرض ہے اور ساتھ ہی علم کی ذخیرہ اندوزی اور بخل بھی ایسا فعل شنیع ہے کہ یہ اُن جرائم کی فہرست میں شامل ہے جن پر تعزیر اور عقوبت لازم آتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہالت کو ختم کرنے کے لیے مسلسل اپنے مختلف ارشادات و تعلیمات کے ذریعے تعلیم و تعلّم کی دعوت دیتے رہے۔ کبھی اس بارے میں ترغیب و تشویق سے کام لیا۔ کبھی ترہیب و تہدید کا پہلو اختیار فرمایا۔ کبھی فرمایا: اَلْعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ شَرِیْکَانِ فِی الْخَیْرِ وَلَا خَیْرَ فِیْ سَائِرِ النَّاسِ (عالم اور متعلم دو ہی خیر کے حصّہ دار ہیں، ان کے علاوہ دوسرے تمام لوگ خیر سے خالی ہیں) کبھی آپ نے عبادت گذاری میں فضیلت حاصل کرنے پر علم میں فضیلت حاصل کرنے کو ترجیح دی ——— جیسا کہ حُذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: فَضْلُ الْعِلْمِ خَیْرٌ مِّنْ فَضْلِ الْعِبَادَۃِ (علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے) گا ہے زیادہ سے زیادہ علم سے بہرہ مند ہونے کی ترغیب دی اور فرمایا: مَا اکْتَسَبَ مُکْتَسِبٌ مِثْلَ فَضْلِ عِلْمٍ، یَهْدِیْ صَاحِبَهُ اِلٰی هُدًی، اَوْ یَرُدُّهُ عَنْ رَدًی، وَمَا اسْتَقَامَ دِیْنُهُ حَتّٰی یَسْتَقِیْمَ عِلْمُهُ وَفِیْ رِوَایَةٍ حَتّٰی یَسْتَقِیْمَ عَقْلُهُ (اس شخص جیسی کسی نے کمائی نہیں کی جس نے وافر علم حاصل کیا، جو اسے ہدایت کی طرف لے جاتا ہے یا بُرائی سے باز رکھتا ہے اور جب اس کا علم درست ہو گیا تو اُس کا دین بھی درست ہو گیا۔ دوسری روایت میں ہے جب اس کی عقل درست ہو گی")

الغرض علم کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل دعوت و ترغیب نے بلکہ حصولِ علم کو فریضۂ دین قرار دینے نے مسلمانوں کے دلوں پر نہایت گہرا اور انقلاب انگیز اثر ڈالا۔ اور ان کے اندر علم کا عشق اس درجہ بھڑکا دیا اور طلب و جستجو کی اس قدر گرمی پیدا کر دی کہ وہ تاریخ

انسانی کی یکتا مثال بن گئی ۔

مسلمانوں کی علم دوستی پر موسیو لیبان کے تاثرات فرانسیسی مؤرخ موسیو گستاف لیبان عربوں کی شیفتگی علم پر اظہارِ حیرت کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"تعلیم و تعلّم کے سلسلے میں عربوں نے جن سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ انتہائی حیران کن ہیں۔ اس معاملے میں دنیا کی اکثر دوسری قومیں عربوں کے مساوی تو قرار دی جاسکتی ہیں لیکن میرے علم کی حد تک ان پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہوئی۔ عرب جب کسی شہر پر غلبہ پا لیتے تھے تو سب سے پہلے وہاں مسجد اور مدرسہ قائم کرنے پر اپنی پوری توجہ صرف کرتے تھے۔ اس نوعیت کے مدرسے بڑے بڑے مسلم مراکز میں ہمیشہ بکثرت پائے جاتے رہے ہیں۔ بنیامین الطُّلَیطُلی (ف ۱۱۷۳) نے بیان کیا ہے کہ اُس نے صرف اسکندریہ میں ایسے بیس مدرسے دیکھے ہیں"

گوستاف لیبان کے اس بیان سے یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ ایک طرف تو عربوں کو فتح مصر پر ابھی پانچ صدیاں بھی نہیں گزری تھیں کہ انہوں نے صرف ایک شہر ــ اسکندریہ ــ کے اندر بیس مدارس قائم کر ڈالے اور دوسری طرف عربوں سے قبل جو رومی فرمانروا مصر پر حکمرانی کرتے رہے ہیں وہ سات صدیوں میں بھی پورے مصر کے اندر ایک سے دوسرا مدرسہ نہ قائم کر سکے بلکہ وہ ایک مدرسہ بھی تھوڑے ہی عرصے کے بعد شہنشاہ گوستینین کے حکم سے مقفل کر دیا گیا۔ گستاف لیبان آگے چل کر مزید لکھتا ہے :

"ان چھوٹے چھوٹے مدارس کے علاوہ بڑے بڑے شہروں مثلاً بغداد، قاہرہ، طلیطلہ اور قرطبہ وغیرہ میں عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم تھیں جو معامل (LABORTAPYS) اور رصد گاہوں (OBSERVATORYS) اور کتابوں سے بھرپور لائبریریوں سے مالا مال تھیں یعنی تحقیقاتِ علمیہ (SCIENTIFIC RESEARCH) کے جس ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام ان جامعات میں مہیا تھا"

"صرف اسپین میں ۷۰ پبلک لائبریریاں تھیں۔ قرطبہ میں حَکَم الثانی کا کتب خانہ

عرب مؤرخین کے بیان کے مطابق چھ لاکھ کتابوں پر مشتمل تھا جن کی صرف فہرست ہی ۴۴ ضخیم مجلدات میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس موقع پر از روئے موازنہ یہ بیان کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ عربوں کے مقابلے میں چارلس (CHORLES TO SAGE) اس کے چار سو سال بعد بھی فرانس کی شاہی لائبریری میں ۹ سو مجلدات سے زیادہ کتابیں جمع نہیں کر سکا۔ اور ان میں بھی بمشکل ایک تہائی کتابیں الٰہیات کے موضوع سے خارج تھیں"۔

آغاز میں عربوں کی علمی سرگرمیوں کا دائرہ صرف فقہ اور قانونِ اسلامی تک محدود تھا، لیکن جونہی انھوں نے جزیرۂ عرب سے باہر قدم رکھا ان کی مساعیٔ علم بھی فقہ و قانون کی حدود سے تجاوز کر کے دوسرے مختلف علوم و فنون کے دائروں میں داخل ہو گئیں اور یہاں بھی انہوں نے اسی خوق العادہ تنعف و شیفتگی کا ثبوت دیا جو فقہ و قانون کے باب میں دیا تھا اور انہیں نہ صرف خود حاصل کیا بلکہ ان کی سرپرستی و ترقی میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔

گستاف لیبان عربوں کے "علمی عشق" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"علوم و فنون کے ساتھ عربوں کا عشق آخری حد تک پہنچ گیا تھا۔ حتیٰ کہ خلفائے بغداد دنیا کے مشہور ترین اہلِ علم اور اربابِ فن کو اپنے دربار میں جمع کرنے کے لیے کوئی ایسا وسیلہ نہیں اٹھا رکھتے تھے جسے استعمال نہ کرتے تھے۔ بلکہ ایک خلیفہ نے تو اس بارے میں حد ہی کر دی۔ اس نے قسطنطنیہ کے قیصر کے خلاف صرف اس بنا پر اعلانِ جنگ کر دیا کہ خلیفہ وہاں کے ایک ماہرِ ریاضیات کو ریاضی کی تعلیم کے لیے بغداد بلانا چاہتا تھا مگر قیصر نے اُسے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور اس پر خلیفہ نے اُسے جنگ کا الٹی میٹم دے کر مجبور کیا کہ وہ ریاضی دان کو بغداد آ کر تعلیم دینے کی اجازت دے۔ بغداد میں ہر مذہب و ملت اور ہر دیار و امصار کے ماہرینِ فنون، علماء اور ادباء کا ایک جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ کوئی فارس کا باشندہ تھا۔ کوئی یونان کا رہنے والا تھا۔ اور کوئی قبطی تھا اور کوئی کلدانی۔ خلفاء کی علم دوستی نے بغداد کو صحیح معنوں میں دنیا بھر کا علمی مرکز بنا دیا تھا۔

ابو الفرج کے بیان کے مطابق مامون بن ہارون الرشید اہلِ علم کو ایک ایسی مخلوق سمجھتا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے عام انسانی مخلوق میں سے اس لیے منتخب کیا ہے کہ وہ عقلِ انسانی کی تکمیل کرے۔ اس کی نگاہ میں یہ طبقہ دنیا کے لیے مینارِ نور اور رہبرِ انسانیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ طبقہ موجود نہ ہوگا تو خدا کی زمین وحشت و درندگی سے بھر جائے گی۔"

فرانسیسی مستشرق عربوں کی گرویدگیٔ علم کو دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور اس کی حیرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ علم سے حدِ اعجاز تک بڑھی ہوئی گرویدگی کا اصل محرک خود دین ہے۔ اپنے اس تاثر کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"علم، جسے دوسرے ادیان نے بنظرِ استخفاف دیکھا ہے مسلمانوں نے اس کی شان کو بہت بالا کیا ہے۔ اور اس مبنی بر حقیقت مقولے کا لباس صرف انہیں کے قامت پر درست بیٹھتا ہے کہ بے شک انسان وہ ہیں جو خود بھی نورِ علم سے منور ہیں اور دوسروں کو بھی اس نور سے بہرہ مند کرتے ہیں، ان کے ماسوا جو بھی ہیں سراسر ضرر ہیں یا خیر سے خالی۔"

گوستاف لیبان کا یہ فقرہ واضح طور پر اس حدیثِ نبوی کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو ابھی ہم نے پیچھے نقل کی ہے یعنی العالم والمتعلم شریکان فی الخیر ولاخیر فی سائر الناس۔

مسلمانوں کے طرزِ علم و فکر پر مستشرق مذکور کا تبصرہ | ان خیالات کے بعد گوستاف لیبان عربوں کے طرزِ علم و فکر کی تشریح کرتا ہے اور اس ضمن میں خامۂ حیرت منہ میں لے کر کہتا ہے:

"لائبریریاں، معامل اور آلات و اداراتِ تعلیم و تحقیق کے لیے ناگزیر مواد ہیں لیکن یہ چیزیں اپنی اہمیت و ضرورت کے باوجود آلات و ذرائع سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں ان کی اصل قدر و قیمت صرف اسی طریقہ پر موقوف ہے جو ان کے استعمال کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے بعض اوقات انسان دوسروں کے علوم و فنون سے خوب اپنے آپ کو سیراب کر لیتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی شخصیت کے بل پر غور و فکر کرنے

یا کسی نئی چیز کو وجود میں لانے کی اہلیت سے کورا رہتا ہے۔ اور بعض اوقات تو وہ صرف شاگرد بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ استاذ بننے کی قدرت اُس میں نہیں ہوتی۔"

"جن ایجادات واکتشافات کی ہم آئندہ صفحات میں تشریح کر رہے ہیں اُن پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ عربوں نے دوسروں کے علوم وفنون کے مطالعے سے اپنی ذات کے بل بوتے پر حقیقی فائدہ اخذ کیا۔ یہاں ہم صرف ان اصولِ عامہ کے بیان پر اکتفا کریں گے جو ان کے تحقیقی کام کے رہنما تھے۔"

"عربوں نے پہلے تو اپنے آپ کو تلامذہ کی صف میں رکھا اور یونانی مؤلفات کو اپنا استاذ ٹھہرایا لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرنے پایا تھا کہ وہ اس حقیقت تک رسائی پا گئے کہ "تجربہ" (EXPERIMENT) اور "مشاہدہ" (OBSERVATION) بہتر سے بہتر کتابوں سے بھی زیادہ قیمت کے حامل ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ (یعنی استخراجی علم) کا گراں قدر ہونا آج ایک پیش پا افتادہ حقیقت سمجھا جاتا ہے لیکن ہمیشہ اس کو ایسی بدیہی حقیقت نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ قرونِ وسطیٰ کے سائنس دان اس حقیقت کے ادراک سے پہلے ہزار سال کی مدت تک اس کے بغیر ہی علمی سفر طے کرتے رہے ہیں۔"

"تجربہ اور مشاہدہ جدید طرزِ علم کی بنیاد ہیں۔ اگرچہ ان اصولوں کا ابتدائی تصور بیکن (BACAN) کی جانب منسوب کیا جاتا ہے کہ اُس نے استاد کے قول پر آمنّا کہنے کے بجائے تجربہ واستخراج کا اسلوب اختیار کرنے کو اہمیت دی ہے لیکن آج ہمیں یہ اعتراف کر لینے میں کوئی دریغ نہ ہونا چاہیے کہ ان دونوں اصولوں ـــ تجربہ اور مشاہدہ ـــ کا کامل تصور عربوں کی وساطت سے دنیا کو ملا ہے۔"

"اس رائے کا ان تمام اہلِ علم وفکر نے اظہار کیا ہے جنہوں نے عربوں کی باقیات ـــ لٹریچر اور آثار ـــ کا مطالعہ (STUDY) کیا ہے۔ اور خاص طور پر ہیومبلڈ (HUMBOLDT) کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ہیومبلڈ نے ـــ جو

علمِ شاہدہ میں یکتائے روزگار ہے ـــــ دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ علم کا سب سے اونچا درجہ وہ ہوتا ہے جب علمی حقائق خود بخود پیدا ہوں اور یہ صرف تجربہ کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس تصریح کے بعد عالم مذکور کہتا ہے: عام علمائے قدیم تو تقریباً اس درجۂ علم سے ہی ناآشنا رہے ہیں لیکن عرب اس درجہ پر فائز رہے ہیں"

گستاف لیبان ایک دوسرے عالم کی رائے نقل کرتا ہوا لکھتا ہے:

"سیڈیلوٹ (SEDILLOT) لکھتا ہے: مدرسۂ بغداد کی ابتدا ہی میں جو چیز اس کے لیے خاص طور پر شہرت کا باعث بنی وہ دراصل اس مدرسے کا صحیح علمی تصور تھا جو اس کی تعلیم و تدریس پر چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ اساتذہ جن اصولوں کی تعلیم دیتے تھے وہ یہ تھے:

- معلوم چیز سے مجہول حقیقت تک رسائی حاصل کی جائے۔
- حقائق کی گہرائی تک اُترا جائے تاکہ مسببات (EFFETS) سے اسباب (CAUSES) کا کھوج لگایا جاسکے۔
- صرف اسی چیز کو قبول کیا جائے جس پر تجربہ کی دلیل قائم ہو جائے۔

"نویں صدی عیسوی کے عرب علماء اسی جاندار اور زرخیز نظریۂ علم پر کاربند تھے اور پھر یہی نظریہ کئی صدیوں کے بعد علمائے جدید کے ہاتھوں تک پہنچا اور خوشنما اور محیّر العقول ایجادات کا ذریعہ بنا"

"تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم کرو" ـــــ یہ تھا عربوں کا اصول۔ اور "کتاب کے اندر پڑھتے رہو اور استاذ کی رائے دُہرانے پر اکتفا کرو" ـــــ یہ تھا یورپ کا اصول جو قرونِ وسطیٰ میں وہاں جاری رہا۔ ان دونوں اسلوبوں کے مابین جو فرق ہے وہ بالکل بنیادی نوعیت کا ہے۔ عربوں کے طرزِ تعلیم کی اہمیت و قیمت کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا جب تک خود اس طریقے کو صحیح طور پر سمجھا نہ جائے

اور اس کی تہ تک نہ پہنچا جائے۔ عربوں نے مدتِ دراز تک اپنے علم کی اساس تجربہ پر استوار کی۔ اس معاملے میں وہ تمام دنیا کے پیشرو اور یگانۂ زماں تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ کی اہمیت کو اگر کسی نے سمجھا تو انہوں نے سمجھا"

ڈی لامبر کا بیان سیڈیوٹ کی رائے کے بعد گستاف لیبان ڈی لامبر (DELAMBRE) کی رائے نقل کرتا ہے:

"ڈی لامبر نے اپنی کتاب تاریخ فلکیات میں لکھا ہے: اہلِ یونان کے اندر اگر ہم علمائے مشاہدہ کو ڈھونڈنے لگیں تو بڑی کاوش کے بعد دو یا تین افراد کا سُراغ لگا سکیں گے۔ اس کے برعکس عربوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ان میں علمائے مشاہدہ کی بہت بڑی تعداد ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ فن کیمسٹری میں تو کسی ایک یونانی عالم کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جب کہ عربوں کے سینکڑوں نام گنوائے جاسکتے ہیں"

"عربوں کی تجربہ پسندی ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کے تمام فکر و تحقیق پر دقیقہ سنجی اور جدت کی چاشنی چڑھی ہوئی ہے اور یہ معقول خوبیاں ایسی ہیں جن کی ہم ایسے شخص کے پاس توقع نہیں کرسکتے جس نے حقائق کو صرف کتابوں میں پڑھا ہو۔ صرف ایک علم ایسا ہے جس میں عرب مقامِ ابداع تک نہیں پہنچ سکے اور وہ فلسفہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت فلسفہ میں تجربہ پر چلنا محال تھا"

گوستاف مزید لکھتا ہے:

"تجربی طریقۂ علم جسے عرب بروئے ظہور لائے بالکل اچھوتا تھا اور اسے اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ اس کی بدولت اہم ایجادات کو وجود میں لانے کا سبب بنیں۔ ہم آئندہ مباحث میں عربوں کے علمی کارناموں کا جب جائزہ لیں گے تو آپ کے سامنے یہ حقیقت اجاگر ہوجائے گی کہ عربوں نے اپنے تین یا چار ادوار میں جو راز ہائے سربستہ نمایاں کیے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں جو اہلِ یونان انتہائی طویل زمانہ میں کرسکے ہیں"

فنونِ ماضی کا جو ذخیرہ عربوں سے قبل بازنطینیوں کے ہاتھ لگا وہ اپنے طویل دور میں اس سے ذرہ برابر استفادہ نہ کر سکے لیکن عربوں نے اسی ذخیرے کو اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے ہر لحاظ سے نئے لباس میں منتقل کر دیا۔

"عربوں کا کارنامہ صرف یہی نہیں کہ انہوں نے بس اختراعات تک علوم و فنون کو ترقی دی بلکہ انہوں نے اپنی یونیورسٹیوں اور اپنی تصنیفی و تالیفی مساعی سے ان کی اشاعت کی۔ موخر الذکر پہلو سے انھوں نے یورپ پر جو اثر ڈالا ہے وہ انتہائی غیر معمولی ہے آئندہ ایک مستقل بحث میں جس میں ہم نے "یورپ پر عربوں کے اثرات" کا جائزہ لیا ہے آپ یہ دیکھیں گے کہ عرب کئی ادوار تک بلا شرکتِ غیرے عیسائی اقوام کے استاذ رہے ہیں۔ بلاشبہ ہم قدیم یونانی اور لاطینی علوم سے آگاہی حاصل کرنے میں صرف عربوں کے منت پذیر ہیں۔ ہماری یونیورسٹیوں میں آج تک جو تعلیم دی جاتی رہی ہے اُس کا تمام تر اعتماد عربی کتابوں کے تراجم پر رہا ہے اور اسے ترک کیے ہیں جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے ہیں۔"

یہ وہ طائرانہ جائزہ ہے جو ہم نے اس دور کی تحریک علمی کے متعلق لیا ہے۔ اس کا مختصر جائزہ یہاں لینا اس لیے ضروری تھا کہ یہی وہ تحریک ہے جو مجموعی طور پر اس دور کو سابق دور سے ممیز کرتی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں عرب کے تمام علوم و فنون ایک نیا روپ اختیار کر گئے۔ اصولِ فقہ پر بھی اس تحریک کی گہری علمی چھاپ لگی اور اُسے "محض قانونی ذوق" کے دائرے سے نکال کر "قانونی فن" کے دائرے میں داخل کر دیا۔

اس طائرانہ جائزے میں ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ اس مبارک علمی تحریک کا منبع وہ دینی انگیخت تھی جو علم کی اشاعت کے لیے دین نے مسلمانوں کے اندر پیدا کی۔ اور پھر علمی تحریک میں اس قدر پھیلاؤ ہوتا گیا کہ اُس نے تمام علومِ عرب کو اپنے احاطہ میں لے لیا۔ اور موجودہ دور میں عقلِ انسانی علم و فن کے جن جدید ترین سانچوں کو وجود میں لائی ہے علمی تحریک نے اسی دور میں علوم و معارف

کو ایسے سانچوں میں ڈھال دیا۔

لہٰذا ہمارے لیے اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں کہ اس علمی تحریک نے فقہ و قانون کے علم میں بھی انتہائی جدت کا مظاہرہ کیا اور وہ پیچیدگی جسے نہ عربوں سے پہلے کوئی قوم حل کرسکی اور نہ ان کے بعد آج تک اسے کوئی حل کرسکا اس تحریک نے حل کرکے رکھ دی۔ اور وہ یہ ہے کہ اُس نے علمِ احکام یعنی علم فقہ و قانون کے پہلو بہ پہلو ایک دوسرے علم ۔۔ علمِ اصولِ قانون یا علم دلائلِ احکام ۔۔ کو جامۂ تدوین پہنا دیا۔ جو اربابِ قانون کی یہ رہنمائی کرتا ہے کہ جب نصِ شرعی میں ابہام ہو یا وہ اپنے مفہوم میں کامل نہ ہو تو حسبِ ضرورت اجتہاد کے ذریعے سے کیونکر اس کمی کو دور کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس "اجتہاد" کو بھی دوسرے علوم کی طرح قواعد و ضوابط کے تابع کیا گیا تاکہ یہ تمیز ہوسکے کہ حقیقی اور شرعی اجتہاد کیا ہے اور شخصی نفسانیت کا لوث کہاں کہاں لگا ہوا ہے؟